از دفتر امامیہ مشن لکھنؤ
امامیہ مشن لکھنؤ کا ساتواں تبلیغی رسالہ
تیسرا ایڈیشن
مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ
قیمت
محرم سنہ ۱۳۵۳ ہجری
محصول ڈاک

امامیہ مشن بلڈنگ فنڈ

میں سردست ایک ہال کی تعمیر کیلئے صرف دو ہزار روپیہ کی ضرورت ہے جس کا فراہم کردینا شیعیان امیر المومنین علیہ السّلام کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے صرف ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے۔

اُٹھئے اور مولا کا نام لیکر خود اور اپنے احباب سے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کرکے اس اہم مقصد کا تکملہ کرا دیجئے اور اپنے اِس دینی و تبلیغی ادارہ کو کرایہ کے مکان کا محتاج اور اِس پر اپنی گاڑھی کمائی کے پیسہ کو برباد کرنے کا موقع نہ دیجئے۔

اِس فنڈ میں قلیل سے قلیل رقم بھی بصد شکریہ وصول کیجا ویگی۔ اور اس کا اخبارات میں اعلان ہوتا رہے گا۔

الداعی الی الخیر

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

ہو العلی الاعلیٰ

حسین اور اسلام

حضرت سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

سید رضا حسین تحریر نمود

امامیہ مشن کی ساتویں مذہبی خدمت
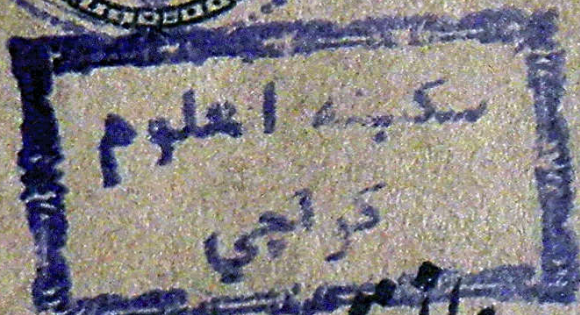
کا

تیسرا دور

حضرات:- امامیہ مشن کے خدمات اب محتاج تعارف نہیں رہے ہیں۔ اسکے رسالوں کے متعدد اڈیشنوں کا شائع ہونا اُسکے خدمات کی مقبولیت کا کافی ثبوت ہے۔ یہ رسالہ جو ہم پیش کر رہے ہیں سال گذشتہ عشرہ محرم میں پہلی بار شایع ہوا تھا اور ملک میں اتنا مقبول ہوا کہ چند دنوں کے بعد ہم کو اُس کا دوسرا ایڈیشن شایع کرنا پڑا۔ اب وہ ایڈیشن بھی ختم ہو گیا اور تیسری بار ہم اس رسالہ کو پیش کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ افراد قوم زیادہ سے زیادہ اِسکی اشاعت میں حصہ لیکر تبلیغ مذہب کے مقصد کو انجام دیں گے والسلام

خادم ملت سید ابن حسین عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

محرم ۱۳۵۲ھ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین

حسینؑ اور اسلام

حسینؑ تاریخی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہیں، اُنکی شخصیت اور
عظیم کارنامے کروڑوں افراد کے سر عقیدت کو خم کئے ہوئے ہیں،
تم نے ممکن ہے کہ اُن کی عظیم کارنامہ زندگی کے مطالعہ اور اُنکے حیرت انگیز
ثبات قدم اور استقلال وتدبر سے بھری ہوئے بیمثال اقدام اور قربانی
کے حالات پر اطلاع حاصل کرنیکا موقع نہ پایا ہو لیکن کم سے کم تمنے حسینؑ
کا نام ضرور سنا ہوگا اور اتنا جانتے ہوگے کہ وہ کسی بڑے تاریخی واقعہ کے ہیرو ہیں
ممکن ہے یہ خیال بھی تمہارے دل میں کبھی آتا ہو کہ یہ حسینؑ کون تھے اور

آخر اس واقعہ کے خصوصیات کیا ہین جو اِس بڑے انسان کی ذات سے تعلق رکھتا ہی۔ اچھا تو پھر آؤ اور صبر و سکون کے چند لمحے مجھکو عاریت دو۔

مین تم کو حسینؑ اور اُن کے مشن سے جس کے سلسلہ مین اُنھون نے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے مین دریغ نہین کیا مختصر لفظون مین تعارف کراؤن جس سے تم کو حسینؑ اور اُن کے اقدامات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنیکا موقع مل سکے۔

حسین کون تھے؟

حسینؑ کیساتھ اسلام کا روحانی تعلق

چھٹی صدی عیسوی مین جبکہ دنیا تاریکی کے عظیم دور سے گذر رہی تھی اور انسانی تمدن کی کشتی تفرقہ اور فساد کے طوفان مین ڈانواڈول تھی جزیرہ نمائے عرب سے اسلام کا آفتاب طالع ہوا جسکی ابتدائی کرنین اگرچہ حجاز کے مرکزی مقام مکہ معظمہ سے ظاہر ہوئی تھیں لیکن رفتہ رفتہ

اُسکی روشنی شرق و غرب عالم پر چھا گئی اور دنیا کو روشن کر دیا۔
پیر دنیز اور عالمگیر مذہب جس کا نام ہے اسلام اپنے ابتدائی دور
میں ترقی و اشاعت کی حیثیت سے دو عظیم شخصیتوں کی جانفشانی اور انتھک
کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ایک پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
دوسرے اُن کے چچا زاد بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ،
اگرچہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ جانثاری
و فداکاری کے فرض کو انجام دیا ہے اُن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا
اور وہ تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھے جانیکے قابل ہیں لیکن اُن کو اسلام
کے سنگ بنیاد نصب ہونے اور اسکے بعد والے ابتدائی مراحل سے کوئی تعلق
نہیں ہے اور نہ اسکے بعد انھیں اساسی حیثیت دیجا سکتی ہے بلکہ
وہ ضمنی حیثیت رکھتے ہیں لیکن حقیقتاً انہی دو بزرگوں کے ثبات قدم
اور حیرتناک استقلال اور اپنے خون کو پسینہ سمجھ لینے کا اثر تھا کہ
اسلام کی بنیادیں قائم ہوئیں اور حیرتناک تیزی کے ساتھ

اُسکی اشاعت ہوئی۔

قدرت کو اِن دونوں بھائیوں کے اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا تھا حضرت رسول اکرمؐ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کیساتھ حضرت علیؑ بن ابی طالب کا عقد ہُوا اور اس طرح علی کو بھائی ہونیکے علاوہ ایک قسم کی فرزندی بھی رسولؐ سے حاصل ہوگئی اور یہ دونوں سلسلے کہ جو اشاعت اسلام میں متحد تھے اور زیادہ استحکام کیساتھ ایک نقطہ پر جمع ہوگئے۔

انہی ماں باپ حضرت فاطمہ اور علی بن ابی طالبؑ سے دو بچے متولد ہوئے جن کا نام تھا حسنؑ اور حسینؑ اور عین اُس وقت کہ جب اسلام ایک نوعمر بچہ کی حیثیت سے رسول اسلام کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا ان دونوں بچوں کی ولادت ہوئی جن کی پرورش بھی رسولؐ کی آغوش میں شروع ہوئی اور اسی طرح اِن دونوں کا اور اسلام کا گہوارۂ تربیت ایک قرار پایا ایک طرف نانا کہ جو بانی اسلام تھے اور دوسری طرف باپ کہ جو مجاہدِ اوّل

اسلام تھے اُن کے خدمات اور کارگذاریاں سُنا کیں اور اس ماحول کے باعث اسلام کیساتھ روحانی تعلق اور دلی ارتباط ان دونوں بچوں میں بچپنے ہی سے راسخ ہو گیا اور جتنی عمر بڑھتی گئی الفت اسلام کا جذبہ مستحکم تر ہوتا گیا۔

مذہبی عقائد سے جنکی بنا پر یہ دونوں بزرگ حسنؑ و حسینؑ امام خلق اور حقیقی ذمہ دار اسلام قرار پاتے ہیں بالکل الگ ہو کر تاریخی اعتبار سے بھی یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی زندگی پابندی شریعت اور حفظانِ اصولِ مذہب کی حیثیت سے اسلامی تعلیمات کا مکمل آئینہ اور احکام شریعت کا مجسم نمونہ تھی اور اسلئے بھی اسلام اور شریعت اسلام کے ساتھ جتنی گہری ہمدردی انکو ہو سکتی تھی کسی کو نہیں

بنی اُمیہ کا دورِ حکومت

یا

تاریخ کا ایک سیاہ ورق

پیغمبر اسلام کی وفات اسلام کیلئے ایک سخت ترین مصیبت تھی جسکے بعد ہی سے اسکی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے شروع شروع میں کچھ عرصہ تک اسکی سادگی اور حقیقت پروری ظاہری جاہ و عزت سے بے تعلقی اور مادی ساز و سامان سے کنارہ کشی ایک حد تک محفوظ تھی لیکن ادھر فتوحات نے ترقی کی قیصر و کسریٰ کے ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا شاہانہ تزک و احتشام اور سلطنتی جاہ و جلال آنکھوں سے دوچار ہوئیں اُدھر اسلامی افراد میں بھی کشور آرائی اور جہانبانی کے جذبات نے پرورش پائی اور مذہبی پابندیوں کے بجائے سیاسی منصوبہ بازیوں اور کمزوروں کے مقابلہ میں جابرانہ طاقتوں کے مظاہرہ کا دور دورہ ہوگیا۔

رسولؐ اور اُنکے خاندان (بنی ہاشم) کے قدیمی حریف بنی اُمیہ کہ جو برابر رسولؐ سے اشاعت اسلام کے خلاف اپنی طاقت کے آخری نفس تک جنگ کرتے رہے اور سب آخر میں اسکے تمام رشتے منقطع ہوجانے کے بعد بادل ناخواستہ اسلام لائے تھے انھیں ان انقلابات میں اپنے منصوبوں کے پورا کرنے کا اچھا موقع ملا۔

حضرت خلیفہ ثانی (عمر بن الخطاب) ہی کے دور میں شام پر ان کا تسلط ہوگیا تھا جو صرف گورنری کی حیثیت سے تھا لیکن قدم جمانے کے لئے بہت کافی تھا۔

تیسرے دور میں خوش قسمتی سے مرکزی حکومت یعنی خلافت کا سہرا بھی بنی اُمیہ کے سر پر بندھا اور اس گروہ کو اسلام کیساتھ اپنے دیرینہ منصوبوں کے پورا کرنیکا پورا موقع مل گیا۔

حضرت خلیفہ ثالث کے ساتھ حسن ظن کو راہ دیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا کہ صاف و سادہ لوح خلیفۂ وقت کو اپنے ان خاندانی افراد کے اغراض د

مقاصد اور ان کے اطوار و حالات کی اطلاع بھی لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ

اِس عہد میں صحابۂ رسولؐ اور سچے اسلامی فرزندوں کیساتھ انتہائی سنگ

برتاؤ اختیار کیے گئے اور اپنوں کی جانبداری اور اُن کے بدترین مظالم

کی حمایت انتہا تک پہونچگئی جسکے بعد پانی سر سے اونچا ہو گیا اور مظالم کو

برداشت کرتے کرتے صبر کے پیمانے لبریز ہو گئے جس کا افسوسناک نتیجہ

قتل خلیفہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تاریخ کے مطالعہ سے اس قتل کی بہت کچھ ذمہ داری بنی اُمیہ کے

سر دکھائی دیتی ہے۔

اسکے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور خلافت کیلئے بڑے بڑے صحابہ کرام

اور اہل حل و عقد کے اتفاق آراء سے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوا اور

سب نے باتفاق آپکی بیعت کی سیکن شام کے گورنر معاویہ بن ابی سفیان

جو وہاں پورے طور پر قبضہ جما چکے تھے وہ اسلامی متفقہ فیصلہ کے سامنے

سرنگوں ہونا تھے نہوے اور خون حضرت عثمان کی طلب کے

بہانے سے علی بن ابیطالب سے برسرپیکار رہے ہوئے چنانچہ جنگ صفین کے سیکڑوں معرکے جن میں ہزاروں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہ گیا اسی کا کرشمہ تھے۔

آخر اس جنگ کا فیصلہ ایک مکارانہ مصالحت کیساتھ ہوا جس میں اگر دیانت و امانت کا جوہر کارفرما ہوتا تو یقیناً مسلمانوں کے درمیان سے ناگوار اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا تھا لیکن افسوس کہ حرص و آز کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اس ظاہری مصالحت کو فتنہ و فساد کا پیش خیمہ قرار دیدیا اور اختلاف و افتراق کی خلیج پہلے سے زیادہ وسیع ہو گئی۔

یہ وقت تھا کہ شام کے تخت پر بنی امیہ کے قدم پوری طاقت کے ساتھ جم گئے تھے! ادھر امیرالمومنین علیؑ کو مسجد کوفہ میں شہید کیا گیا ادھر شام میں مخالفت اہلبیتؑ کا طوفان پوری قوت پر بلند ہو گیا اور دمشق بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے منبروں پر کمال جرأت کیساتھ اہلبیت رسول پر لعن طعن کا بازار گرم ہو گیا۔

اس زمانہ کے بعض اہم خصوصیات

امیر معاویہ اگرچہ صحابہ رسول کی ایک ممتاز فرد سمجھے جاتے ہیں لیکن اُن کے دور حکومت کے یہ افسوسناک خصوصیات ہیں جو اسلامی تاریخ میں جلی حرفوں سے مرقوم نظر آتے ہیں اور اُن سے اس زمانہ میں اسلام کے ضعف و کس مپرسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) وضع احادیث اور خدا و رسول پر افترا و بہتان کوئی جرم نہ رہا بلکہ اس پر مخصوص مصالح کے تحت میں جائزہ و انعام دیا جاتا تھا چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد مدائنی جو اسلامی مورخین میں بڑے پایہ کا شخص ہے اس نے کتاب الاحداث میں اُس زمانہ کے حالات درج کرتے ہوئے لکھا ہے

کتب معاویۃ الی عمالہ فی جمیع الآفاق ان لا یجیزوا لاحد من شیعۃ علی شہادۃ وکتب الیہم ان انظروا من قبلکم من شیعۃ عثمان ومحبیہ واہل ولایتہ الذین یروون فضائلہ ومناقبہ فادنوا مجالسہم وقربوہم واکرموہم واکتبوا الیّ بکل ما یروی کل رجل منہم واسمہ واسم ابیہ وعشیرتہ ففعلوا ذلک حتی اکثروا فی فضائل عثمان ومناقبہ

لما كان يبعثه اليهم معاوية من الصلات والكساء والحباء والقطائع

ويفيضه في العرب منهم والموالى فكثر ذلك في كل مصر وتنافسوا في

المنازل والدنيا فليس يجد امرء من الناس عاملا من عمال

معاوية فيروي في عثمان فضيلة او منقبة الا كتب اسمه وقربه

وشفعه فلبثوا بذلك حينا۔

"معاویہ نے تمام عمال کو لکھا کہ جو شخص حضرت عثمان کی فضیلت میں

کسی حدیث کو بیان کرے اُس کا پورا نام مع پتہ کے میرے پاس لکھکر بھیجدو

اور پوری طرح جائزہ وانعام سے اُس کو مالامال کردو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فضیلت عثمان میں احادیث کثرت سے ہوگئے اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قائم رہا

ثم كتب الى عماله ان الحديث في عثمان قد كثر وفشا في كل مصر وكل

وجه وناحية فاذا جاءكم كتابي هذا فادعوا الناس الى الرواية

في فضائل الصحابة والخلفاء الاولين ولا تتركوا خبرا يرويه احد

من المسلمين في ابي تراب الا واتوني بمناقض له في الصحابة فان هذا

احبّ الیّ واقرّ لعینی وادحض لحجۃ ابی تراب وشیعتہ اشد علیہم من

مناقب عثمانؓ وفضلہ فقرأت کتبہ علی الناس فرویت احادیث کثیرۃ فی

مناقب الصحابۃ مفتعلۃ لاحقیقۃ لھا وجدّ الناس فی روایۃ ما یجری

ھذا المجری حتی اشادوا بذکر ذالک علی المنابر والقی الی معلمی الکتاب

فعلّموا صبیانہم من ذالک الکثیر الواسع حتی رووہ

وتعلّموہ کما یتعلّمون القران وحتی علموہ بناتھم ونسائھم وخدامھم

حشمھم فلبثوا بذالک ماشاء اللہ۔

"پھر تمام گورنروں کو لکھا گیا کہ عثمان کی فضیلت میں احادیث کا

بہت کافی ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اب تم دیگر صحابہ کے فضائل میں روایت

احادیث کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور جو کوئی فضیلت بھی ابو تراب کی

نسبت احادیث میں وارد ہوئی ہے اسکے مقابل دوسرے صحابہ کیلئے بھی

بیان کرو۔ علیؑ اور ان کے شیعوں کی دلیل کے باطل کرنیکا سب سے بڑا ذریعہ

یہی ہے۔ بس پھر کیا تھا، فرمان لوگوں کے سامنے پڑھا گیا اور سیکڑوں حدیثیں

صحابہ کبار کے مناقب میں تصنیف ہو گئیں جن کی کچھ اصلیت نہ تھی واعظین ان کو منبروں پر پڑھتے اور معلمین مکتب بچوں کو قرآن کی طرح حفظ کراتے تھے بلکہ لڑکیوں عورتوں اور غلاموں کنیزوں تک کو یاد کرانا ضروری سمجھتے تھے"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سچے اسلامی روایات بھی ان بے حقیقت اخبار کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار بن گئے اور علمی تحقیق و تدقیق میں ایک بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔

(۲) سب و شتم اور اکابر اہل اسلام کو گالیاں دینے کا دستور نکل آیا دمشق و شام کے منبروں پہ چالیس برس تک رسم ادا ہوتی رہی اور علیؑ ابن ابیطالبؑ کی نسبت اس جسارت کا سلسلہ قائم رہا۔

(۳) بلاد اسلامیہ میں شراب بہت آزادی کیساتھ استعمال کیجانے لگی اور اسکی خرید و فروخت میں کوئی روک ٹوک باقی نہیں رہی چنانچہ عبدالرحمٰن بن سہل انصاری (صحابی رسولؐ) نے شراب کے بارے کد ہوئے

اونٹوں کو دیکھا تو اپنے نیزہ کی نوک سے اُن مشکوں کو پھاڑ ڈالا حضرت
مُعاویہ کو خبر معلوم ہوئی تو کہا اُس بڈھے کو چھوڑ دو اسکی عقل جاتی رہی
ہے عبد الرحمن نے سُنا تو کہا خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی ہے مگر
رسالتمآب نے مُمانعت فرمائی ہے اس سے کہ شراب ہمارے شکم میں داخل ہو یا برتنوں
میں رکھی جائے (دیکھو کتاب اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۳ صہ ۲۹۹ و
اصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی ج ۲ صہ ۴۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شراب کی درآمد مسلمانوں میں
بہت خوب ہی سی ہو گئی تھی اور اگر کوئی سچا مسلمان تعرض کرتا تھا تو اُسے
دیوانہ اور بے عقل کا خطاب دیا جاتا تھا۔

(۴) بیگناہ مسلمانوں کا خون بہت بے دردی سے بہایا جانے لگا سیکڑوں
کلمہ گویوں کی گردنیں زیر تیغ ہو گئیں، سمرۃ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ
اور زیاد بن ابیہ کی سیاہ کاریاں اسی عہد کا نامۂ عمل ہیں۔ عبد اللہ بن
عباس کے دو کمسن بچے ماں کی گود میں ذبح کر دیئے گئے جس سے وہ مجنون

ہوگئیں (ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبدالبر مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اوّل صـ۶۶)

(۵) مذہب کا وقار بالکل کم ہو رہا تھا اور بڑے سے بڑے ارکان مذہبی کا مذاق اُڑایا جاتا تھا۔

امیر معاویہ نے بڑے فخر سے جاریہ بن قدامہ اور احنف دو شخصوں کی نسبت فرمایا کہ انشترییت منہما دینہما "میں نے اُن سے اُن کا مذہب مول لیلیا ہے" استیعاب ج ۱ صـ۱۵۴)

مصر کے لوگوں نے دربار میں آکر السلام علیك یا رسول اللہ کہا اور اسکو گوارا کر لیا گیا، سزا دینا تو بڑی بات تھی معمولی سی بانی تنبیہ بھی نہ کی گئی (ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج ۶ صـ۱۸۴)

اِن دونوں واقعوں کو ہم نے اپنے رسالہ "قاتلان حسین کا مذہب" میں تفصیل سے لکھا ہے اور اُن سے اُس وقت کے اسلامی احساسات و جذبات کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

امیر معاویہ کا زمانہ کسی نہ کسی طرح بسر ہو گیا اور انہوں نے اپنی عمر گذار دی مگر مسلمانوں کے سر پر ظلم و ستم کے ایسے پوتا کو سوار کر گئے جس نے اسلام کی شیرازہ کو بالکل درہم برہم کر دیا۔ یزید کے اخلاق و عادات سے امیر معاویہ بیخبر تھے؟ نہیں ہرگز نہیں وہ خود یزید کے خصوصیات سے واقف تھے اور اُس کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب "تطہیر اللسان والجنان" میں جو حضرت معاویہ کے مناقب و فضائل میں تصنیف کی گئی ہے لکھتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رونے لگے مروان نے کہا کہ کیوں کیا ہوا؟ آپ کے رونیکا سبب؟ جواب دیا کہ

"انی شئی کنت عنہ عزو باکبرت سنی ورق عظمی وکثرت الدمع فی عینی ورمیت فی احسن ما یبد ومنی ولو لا ھوای فی یزید ابصرت قصدی"

"دنیا میں کون راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو اب سن زیادہ ہو گیا، ہڈیاں گھل گئیں جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ

نہوتا تو یں اپنے لئے راہ راست کو حاصل کرلیتا" (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۶) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قوله ولولا هواى الخ فيه غاية التسجيل على نفسه بان فرط محبته ليزيد اعمت عليه طريق الهدى واوقعت الناس بعده مع ذلك الفاسق المارق فى الردى۔

"ان الفاظ میں معاویہ نے پورے طور پر اقرار کرلیا ہے کہ یزید کی محبت نے اُن کو ہدایت کے راستوں سے اندھا بنادیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو اُنکے بعد ایسے فاسق و فاجر کے ہاتھوں میں مبتلا کر دیا جو اُنکی ہلاکت کا باعث ہوا" (حاشیہ صواعق محرقہ صفحہ ۵۸)

اسکے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال و عادات سے بیخبر تھے اور اُس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی، یزید کی بیعت مسلمانوں سے زبردستی لی گئی اور زروجواہر کے خزانے اس کیلئے وقف کر دئے گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اُس کے فسق و فجور نے

دنیا کو پُر کر دیا، ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہُوا، مذہب بازیچۂ اطفال اور اسلام زینت طاق نسیان بن گیا، یزید کے افعال و عادات کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو پُر نہیں کیا جا سکتا اسلام کی مستند تاریخیں ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ واقدی نے مختصر الفاظ میں جس طرح یزید کے بدکرداری کی تصویر کھینچی ہے وہ حسب ذیل ہے:

کان رجلاً ینکح امھات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصّلٰوۃ۔

"وہ ایسا شخص تھا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کنیزوں اور اپنی بہنوں بیٹیوں تک کو نہ چھوڑتا تھا شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا"

(ملاحظہ ہو صواعق محرقہ، علامہ ابن حجر مکی ص ۱۳۵)

اب بتاؤ کہ کیا اسلامی بادشاہ یا خلیفۃ المسلمین اور مجوسیوں میں کچھ بھی فرق ہوا؟ حد سے زیادہ فاسق اشخاص بھی اپنی ماں بہنوں بیٹیوں سے مقاربت کرنا حمیت و غیرت بلکہ انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

بادشاہ وقت کی ان عادات و اخلاق کو دیکھ کر دنیا نے رنگ بدل لیا تھا
اور مذہبیت بالکل فنا ہوگئی تھی لطف یہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ سر تسلیم خم
کئے ہوئے تھے اور کسی کے دہن سے صدائے اعتراض بھی بلند نہوتی تھی۔
سوائے پانچ شخصوں کے تمام صحابہ و تابعین یزید کو خلیفہ رسولؐ تسلیم
کر چکے تھے، ان پانچ میں سب سے پہلا نام حسینؑ بن علیؑ کا ہے اور آپکی دیکھا
دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس
یزید کی طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ ان کو بھی پابند بنایا جائے اور
سب سے زیادہ امام حسین علیہ السّلام کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے
کیلئے اہتمام کیا گیا۔

گذشتہ تاریخ اور اسلام کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ
علیؑ بن ابیطالبؑ کا فرزند اور خاندانِ رسولؐ کا سب سے بزرگ شخص اگر ان
حالات کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لیتا تو اسلام کا نام بھی باقی
نہ رہ سکتا۔

حسن مجتبیٰؑ کی صلح مجاہدۂ کربلا کی تمہید تھی

ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید نتیجہ خیز اور مؤثر ہوتا ہی لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجۃً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہی بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کیلئے مورد الزام بنا دیتا ہی۔

واقعات کی رفتار یکساں نہیں رہتی بلکہ تدریجی حیثیت سی ترقی کرتی ہی اور اُن کا طریقۂ علاج بھی اسی اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔ عالم کا نظام اسی پر قرار پایا ہی اور انسان کی افتاد طبع یوں ہی واقع ہوئی ہی اِس میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔

زخم رسیدہ پکے ہوئے جزو بدن ہاتھ یا پیر کا علاج کرو پھاہی لگاؤ مرہم بدلو ضرورت ہو تو بار بار نشتر دلواؤ پھر اگر نہ اچھا ہو اور اُسکی سمیت کے جسم میں سرایت کرنیکا خوف ہو تو اُسے کاٹ کر بھی پھینکدو کسی کو اعتراض کا حق نہ ہو گا لیکن اگر زخم پیدا ہونیکے ساتھ ہی یا کوئی علاج معالجہ کرنیکے

پہلے ہی کاٹ ڈالتے تو ضرور مورد الزام اور عام طور پر بے عقل سمجھے جاتے حالانکہ یہ طرزِ عمل وہی تھا جو بعد میں اختیار کئے جانے پر ممدوح و مستحسن سمجھا جا رہا تھا دشوار گزار حالات کی اصلاح کیلئے قربانی اور وہ بھی جان کی قربانی کامیاب و موثر ترین حربہ ہے لیکن سب سے آخری، جب تمام وسائل و ذرائع ختم ہو جائیں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو اس وقت اُس کا درجہ ہے وہ جہاں تک آخری رہے وہیں تک ممدوح ہے اور اگر اس سے پہلے عمل میں آگئی تو اُس پر جلد بازی غیر موقع شناسی اور ناعاقبت اندیشی وغیرہ کا الزام آجانا ضروری ہے جس کے بعد اُسکو حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا اور اسی کیساتھ اُس کی کامیابی اور تاثیر رخصت۔

حالات کی اصلاح کیلئے احتجاج و استغاثہ، مصالحت و رواداری، شرط و شروط اور قرارداد و معاہدہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا اختیار کیا جانا ابتدائی حدود میں ضروری ہے۔

بیشک جب یہ سب وسائل و ذرائع اختیار کئے جانے کے بعد ناکام

ثابت ہوں تو پھر من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ "آزمودہ را آزمودن

جہل است" کے مطابق انسان سے ان ذرائع کا مطالبہ نہ ہو سکیگا اور اُس

کی رفتار عمل کو آگے بڑھ کر کسی دوسرے اقدام تک پہونچنے کا حق پیدا ہوگا۔

یہی تدریجی رفتار اقدام عمل ہے جبتک قائم ہے کامیابی کی توقع ہے ورنہ

نہیں ایک بات ہو جانے پر پہلے ہی دن مرنے مارنے پر آمادہ ہو جانے

والا مغلوب الغضب کہا جائیگا۔ وہ کبھی تعریف کا مستحق نہیں برخلاف اسکے

اگر تمام ویگر ذرائع واسباب کے ذریعے اتمام حجت کے بعد انسان کسی اہم

مقصد کیلئے جان دینے پر طیار ہو جائے تو فداکاری و جان نثاری اور

مؤثر قربانی قرار پائے گی۔

ایک انسان اگر اپنے افعال و اعمال میں توازن کو ملحوظ رکھتا اور

اپنی کارگذاریوں میں صرف جذبات کا فرمانبردار نہیں بلکہ عقلی غور و تدبر

کا پابند ہے تو اُسے اس نظام کا پابند ہونا ضروری ہے۔

شام کی اموی سلطنت کے ہاتھوں بیشک مذہب خطرہ میں تھا اور

حق و صداقت پامال ہو رہے تھے جس کی اصلاح کیلئے قربانی درکار تھی لیکن اس قربانی کے حق بجانب قرار پانیکے لئے دوسرے پرامن و صلح پرور وسائل و ذرایع کے صرف کئے جانے کی ضرورت تھی۔

بیشک اگر امام حسینؑ ابھی ایکا بغیر کسی قسم کے سابقہ حالات کی یزیدی بیعت سے کنارہ کشی کرکے باوجود فقدان اعوان و انصار مخالفت پر جس کا لازمی نتیجہ آپکا قتل ہونا تھا طیار ہو جاتے اور ایسا کرتے تو ان سوالوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ آخر امامؑ نے اتحاد عمل کیساتھ حالات کے درستی کی کوشش کیوں کی؟ مخصوص شرائط کیساتھ صلح کرکے اپنے مقاصد کو کیوں نہ حاصل کیا؟ کم سے کم امور سلطنت سے بے تعلقی اختیار کرکے مدینۂ رسول میں قیام پذیر کیوں نہ رہے اور کربلا آکر اپنے تئیں معرض خطر میں کس لئے ڈالا؟

یہ سوالات پیدا ہونیکے بعد جن کا کوئی صحیح حل بھی موجود نہ تھا یقیناً آپ کا قتل ہونا صرف جذبات کی کارفرمائی کا نتیجہ قرار پاتا اور اس لئے

نہ قابل ستائش ہوتا اور نہ موثر و کامیاب لیکن واقعہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کا اقدام عمل یا قربانی وہ ایک مکمل نظام کے تحت میں واقع ہوا تھا جس کیلئے برسوں کی طویل مدت کے حالات موقع کو قریب لا رہے تھے یہاں تک کہ سنہ ۶۱ھ میں اس کا وقت آ گیا۔

شروع شروع میں امام حسنؑ کا صلح کر لینا اور مخصوص شرائط معاہدہ کیساتھ سلطنت کی ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر دس برس خاموشی کی زندگی بسر کرنا اور پھر دس ہی برس تک خود امام حسینؑ کا بھی عملی حیثیت سے خاموش رہ کر حالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر زبانی یا مکتوبی احتجاج کرتے رہنا لیکن باوجود اسکے حالات کا رو بہ اصلاح ہونے کے بدلے بد سے بدتر ہوتے جانا، شرائط معاہدہ کا ٹھکرا دیا جانا صلحنامہ کے دفعات کا پامال ہو جانا، زبانی احتجاج و استغاثہ پر کوئی شنوائی نہ ہونا بلکہ اپنے انسانیت سوز اور اسلام کش افعال پر بیش از بیش اصرار کیا جانا اور اس سلسلہ میں پانی کا سر سے اونچا ہو جانا اور معاملات کا حد سے گذر جانا وہ تھا

جس نے امام حسینؑ کیلئے اس عظیم اقدام کا موقع پیدا کرادیا تھا کہ جو انہوں نے کربلا کی سرزمین پر انجام دیا۔

یہ اعتراض تاریخی حالات سے بیخبری کا نتیجہ ہوگا کہ امام حسینؑ نے خود اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالا۔ اگر وہ مدینہ میں قیام کرتے اور یزید سے برسر پرخاش نہ ہوتے تو آپ کا خون کربلا کی زمین پر نہ بہتا۔

یہ خیال بالکل بے حقیقت ہے۔ بنی اُمیہ کی عداوت بنی ہاشم اور خصوصاً علی بن ابیطالبؑ کی اولاد سے اس حدتک پہنچ چکی تھی کہ وہ کسی طرح اُنکو چین سے بیٹھنے نہیں دے سکتے تھے اور اُنکی خاموش ہستی بھی اُنکی آنکھوں میں خار بنکر کھٹکتی تھی حسن مجتبیٰؑ نے باوجود صلح جوئی اور خاموشی و کنارہ کشی کیا پھل پایا؟ یہ کہ زہر قاتل کے اثر سے کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے اور دشمنوں کی ظلم و بیداد کا خاموش افسانہ سناتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی اپنی کتاب یزید نامہ صہ۳ میں لکھتے ہیں۔

"پہلا خون سیدنا حضرت امام حسن کا ہے جو تاریخ کی روایت سے قطعاً امیر معاویہ کے اوپر ثابت ہے اور کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی و قانونی انکی بریت اس قتل سے نہیں کر سکتا"۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ عراق میں نہ آتے اور مدینہ میں قیام فرماتے تو اُن کے قتل کیلئے کوئی ایسا ہی خاموش حربہ استعمال کیا جاتا جس طرح حضرت امام حسنؑ پر استعمال کیا گیا۔

اس وقت آپکی جان بھی جاتی اور افراد بشر کے سامنے حقیقت کے واضح ہونیکا بھی کوئی طریقہ نہ ہوتا بلکہ جس طرح اس سے پہلے امام حسنؑ کی شہادت سے انکار کیا جاتا رہا اُسی طرح حضرت کی شہادت سے بھی انکار کرنا ضروری خیال کیا جاتا اور یہ یقیناً یزید کی فتح اور حسینؑ کی شکست قرار پا سکتی تھی کیونکہ اس حالت میں اوّل الذکر نے اپنے مقصد کو حاصل کیا۔ حسینؑ کے وجود کو دنیا سے محو کر دیا اور پھر عالم کے سامنے اپنے تئیں بری بھی ثابت کر دیا اور حسینؑ نے اپنی جان سے ہاتھ دھویا اور کوئی نتیجہ خیز اثر بھی دنیا میں نہ چھوڑا۔

بھلا حسینؑ سے محیر العقول تدبر و استقلال کی مالک ہستی سے کب توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ اس پہلو پر متوجہ نہ ہو، حسینؑ نے اپنے معاملہ کو دو مختلف صورتوں میں منحصر پایا، ایک یہ کہ خاموش طریقہ پر اپنی جان سے ہاتھ دھوئیں اور دین اسلام و شریعت نبویہ بھی یزید کے افعال و اقوال سے محو ہو کر رہے، دوسرے یہ کہ اپنی ہستی کو ظاہری صورت میں دست فنا کے سپرد کر کے ہمیشہ کیواسطے اپنی اور اپنے نانا کی تحریک کو زندہ کر کے اسلام کا ایک پائیدار نقش چھوڑ دیں، فرزند رسولؐ نے اپنے عظیم تدبر و عاقبت اندیشی سے کام لیکر دوسری صورت کو ترجیح دی اور اسلام کو زندہ کرنے کے ساتھ اپنی موت کو اپنے اور اسلام دونوں کی فنا کے مقابلہ میں اختیار کیا،

حسینؑ نے اپنی جان دیکر اپنے مخالفین کے مفاد کو ہمیشہ کیلئے پامال کر دیا اور یہی وہ عظیم فتح ہے جس کو حضرتؑ نے ظاہری صورت میں فنا ہو کر حاصل کیا۔

حسینؑ کا اقدام عمل خالص تبلیغی شان رکھتا تھا

(اور)

تدبر و سیاست کا بہترین نمونہ تھا

امام حسینؑ درحقیقت مدینہ سے اسبات کا بیڑا اٹھا کر نکلے تھے کہ دنیا کے سامنے حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کر دیں چنانچہ اُنھوں نے اپنے مقصد کی اشاعت اور یزید کے ننگ انسانیت افعال کو طشت ازبام کرنے میں وہ تمام وسائل و ذرائع اختیار کئے جو اُن کے عظیم تدبر و سیاست کا پتہ دیتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ دیکھو کہ حسینؑ نے مدینہ رسولؐ کو چھوڑنے کے بعد مکہ معظمہ کو اپنے قیام کیلئے منتخب کیا۔ مکہ معظمہ کا قیام سطحی نظروں میں تو اس غرض کیلئے تھا کہ اس مقام مقدس میں خونریزی حرام ہے لہذا اُنکی زندگی دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ رہیگی لیکن یہ نقطہ نظر ایسے شخص کیلئے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کو آخر

تک اپنی جان بچانا منظور ہو مگر حسینؑ کہ جو مرنے پر کمر باندھ چکے تھے اور پورے طور سے آخر تک ہونیوالے انقلابات پیش نظر رکھتے تھے جس کو برابر الفاظ میں تلاتے بھی رہتے تھے انکی نسبت اس خیال کو کوئی وقعت نہیں دیجا سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ مکۂ معظمہ قلب جزیرۃ العرب اور عالم اسلام کا مرکز تھا، اطراف و جوانب کے قافلے برابر آتے رہتے تھے اور علاوہ فریضۂ حج کے جو اسلامی شریعت کی رو سے ہر مستطیع مسلمان پر واجب ہے اور جس کی بدولت اشھر حج میں چاروں طرف سے مختلف قبائل عرب کا آنا ضروری ہے خود عرب کے قدیم روایات و سابقہ عملدرآمد کی وجہ سے جو صدیوں سے قائم تھا اور اسلام نے بھی جس کو باطل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی عرب کے اس خطہ کو تمام مختلف الخیال قبائل عرب کا محل اجتماع ہونا لازمی تھا وہ مشہور و معروف بازار جو شعر و سخن اور خرید و فروخت وغیرہ کے لئے قائم ہوتی تھیں جن کو اسواق العرب کہا جاتا ہے ذی القعدہ سے لیکر محرم تک مکہ و طائف اور مدینہ کے درمیان ہی میں قائم ہوتی تھیں۔

امام حسینؑ کی شخصیت دنیائے عرب میں کوئی اجنبیت نہ رکھتی تھی، اگرچہ مذہبی احساسات مردہ ہوگئے ہوں اور حسینؑ کو ان کے واقعی مراتب کیساتھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن رسولؐ کا نواسا، سلطان حجاز و عراق کا فرزند، ملک عرب کا سب سے زیادہ سخی و جواد جس کے گھر سے کبھی کوئی سائل محروم نہیں پھرا، بنی ہاشم کا بزرگ خاندان، یہ عنوان وہ تھے جن سے کوئی بھی ناواقف تھا اور کسی کو ان کے انکار کی جراُت نہیں ہوسکتی تھی۔

حسینؑ نے یہی زمانہ کہ جو تمام قبائل عرب کے اجتماع کا تھا مکہ میں اپنے قیام کیلئے تجویز کیا ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ حسینؑ اپنے لئے کوئی بڑا لشکر جمع کرنا چاہتے تھے اور ان قبائل عرب کے ساتھ روابط بڑھا کر اپنی حیثیت کو مضبوط بنا کر یزید سے مقابلہ کا خیال رکھتے تھے، نہیں ہرگز نہیں، اگر وہ ایسا چاہتے تو کر سکتے تھے اور مضبوط تحریک ہونے کی صورت میں ممکن نہ تھا کہ اس میں کامیابی نہ ہوتی۔

یمن بالکل نزدیک تھا جس کا اسلام علی بن ابیطالبؑ کا رہین منت تھا

اور اسکی وجہ ہے وہاں کے رہنے والوں کو علی بن ابیطالب اور اُن کے گھرانے سے پوری ہمدردی حاصل تھی۔
طائف بھی کچھ اولادِ رسول کا مخالف تھا لیکن فرزندِ رسول کو عالمگیری اور جہانبانی کا شوق نہ تھا، وہ اپنے تئیں ایک عظیم الشان بادشاہ تسلیم کرانے کی ہوس نہ رکھتے تھے مگر حسین کا قیام مکہ معظمہ میں صرف اسلئے تھا کہ جمہورِ عرب کے اندر صورتِ حالات کی طرف ایک توجہ پیدا ہو جائے اور یزید کے افعال و اعمال کا چرچا ہونے لگے۔
حسین کے قتل کیلئے حجاج کے لباس میں شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے ہوں یا حضرت کے پابزنجیر کر کے لے جانے کا سامان کیا گیا ہو بہر حال نامعلوم اسباب و علل کے ماتحت امام کا بیت الحرام سے رخصت ہونا اور زمانہ حج کے گذرنے کا انتظار بھی نہ کرنا اسکو امام کے تبلیغی مقصد میں پورا دخل ہے۔
ایسی ایک خلاف توقع حسین کا حج کو ترک کر دینا اور تمام اہل و عیال کیساتھ مکہ معظمہ سے نکل کھڑا ہونا ایسی حالت میں کہ حج کا زمانہ بہت کم

باقی تھا اس نے تمام قبائل عرب کے نمایندوں میں ایک لہر دوڑا دی اور اگر کوئی تاریخ اُس موقع کی قلم بند کی گئی ہوتی تو اُس میں ضرور نظر آتا کہ اس موقع پر کن خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔

حسینؑ بن علیؑ کہاں چلے گئے؟ حج بھی نہ کیا؟ ان تمام اہل و عیال و اقربا کیساتھ اپنے نانا کی قبر کے جوار کو کیوں چھوڑ دیا؟ یزید کے خوف سے کیوں؟ یزید کیا چاہتا ہے؟ حسینؑ سے بیعت کا طالب ہے، لاحول و لاقوۃ بھلا ایسا کیونکر ہوسکتا ہے؟ فرزند رسولؐ اور یزید ایسے شرابخوار اور نابکار فاسق و فاجر کی بیعت کرے! اچھا پھر مکہ معظمہ میں کیوں قیام نہ کیا؟ کس لئے حج کو بھی ترک کر دیا؟ جان کا خطرہ تھا یعنی مکہ میں حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے شام سے کچھ لوگ بھیجے گئے تھے، توبہ توبہ! اس سے بڑھکر سفاکی و ظلم کیا ہوگا کہ فرزند رسولؐ کو حرم میں بھی چین نہ لینے دیا جائے"۔

یہ تذکرے وہ ہوں گے جو مکہ معظمہ اور اُس کے اطراف و جوانب میں اکثر

باخبر حلقوں میں بہت اہمیت کیساتھ جاری تھے۔

وہ زمانہ کہ جب سرق مراسلت و مخابرت مسدود تھے تار ٹیلیفون وغیرہ خبر رسانی کے ذرایع نایاب اس سے بڑھ کر کوئی طریقہ واقعات کی اشاعت کا نہیں ہو سکتا تھا۔ مکہ سے روزانہ لوگ آتے جاتے رہتے تھے جو شخص تازہ اپنے شہر میں آیا اس کو بھی تازہ واقعات کی ضمن میں حسینؑ کے نقل و حرکت اور اسکے اسباب و علل کا بیان کرنا ضروری تھا۔ اسکا نتیجہ یہ نہیں تھا کہ امام کیلئے کوئی بڑا لشکر جمع ہو جائے لیکن مطلب صرف اتنا تھا کہ پہلے سے ان حالات کی اشاعت ہو جانے کے سبب حسینؑ کی شہادت عام طور سے نامعلوم اسباب و علل کا نتیجہ قرار نہ پائے تاکہ اہل شام کو اپنے دل سے اس کیلئے مخصوص وجوہ تراشنے کا موقع مل جائے اور حسینؑ کی مظلومیت و حقانیت مخفی ہو جائے یقیناً اگر امام کی طرف سے ان طرق نشر و اشاعت کو عمل میں نہ لایا جاتا تو یزید کی طرف سے امام کی شہادت کو طرح طرح کے لباس پہنائے جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حسینؑ کا خون رائگاں چلا جاتا بایں معنی کہ آپ

اپنی جان بھی ہاتھ سے کھوتے اور کوئی ہمدردی بھی افراد بشر کے قلوب میں چھوڑ کر نہ جاتے اور وہ مقصود جو آپ کا تھا حاصل ہوتا مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ امام شہید ہوئے اور تمام دنیا نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وہ ناحق قتل کئے گئے، شام کا حاکم اور اسکے دشمن انسانیت وزراء اور ساتھی کسی تہمت تراشنے کا موقع بھی نہ پا سکے۔ اسے خداوند عالم کی قوت قاہرہ کے بعد حسینؑ کے تدبر سے تعلق ہے اور وہ اسباب و علل شہادت کے نشر و اشاعت کا نتیجہ تھا۔ حسینؑ نے اپنی نقل و حرکت کے وجوہ کو زندگی ہی میں عالم اسلام میں شائع کر کے دشمنوں کی زبانیں بند کر دیں اور اپنی مظلومی کے سامنے دنیا کے سر کو خم کرا لیا اور اس سے بڑھکر حقانیت کی تبلیغ کیا ہو سکتی ہے؟۔

حسینؑ کا قافلہ خاموش مبلغ تھا حج کا زمانہ تھا عراق، یمن، طائف وغیرہ سب طرف سے قبائل مکہ میں آ رہے تھے، ادھر امام حسینؑ اپنے اہل و اقربا انصار و اصحاب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ خیمہ و خرگاہ تمام سامان ساتھ لئے ایک بڑے قافلہ کی صورت میں مکہ سے جا رہے تھے،

عالم مسافرت میں زندگی گذارنے والے واقف ہیں کہ راستہ میں چار پانچ آدمیوں کا بھی قافلہ نظر آئے تو کھوج ہوتی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہاں سے آتے ہیں؟ پھر کہاں امام حسینؑ کا شاندار قافلہ اور اصحاب و اعوان کا مختصر لشکر اس پر طرہ یہ کہ حج کو دو دن باقی رہے مکہ معظمہ کی طرف سے اٹھا ہو جبکہ دنیا مکہ معظمہ کیطرف حج کیلئے متوجہ ہے، یہ چیز وہ یقیناً جاذب نظر اور جالب توجہ تھی اور ایک اجنبی شخص کو یہ پوچھنا ضروری تھا کہ یہ کس کا لشکر ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اور حسینؑ کا نام معلوم ہونے پر وہی سوالات جو ہم نے اسکے قبل درج کئے ہیں۔ چنانچہ تاریخیں شاہد ہیں۔

فرزدق سے ملاقات امام سے یونہی اتفاقی طور پر ہوئی تھی اور عبداللہ بن مطیع و عمر بن عبدالرحمن مخزومی بھی راستہ میں خلاف توقع امام سے دوچار ہو گئے اور پھر جو گفتگو ہوئی وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

اسکے معنی یہ ہوئے کہ حسین بن علیؑ اور ہاشمی جوانوں کا شاندار قافلہ جو خانۂ خدا کو مجبوراً چھوڑ کر جنگلوں میں آ رہا تھا خود ایک خاموش مبلغ اس

داعی حق تھا جو دوسرے لوگوں کو تحقیق حالات اور کشف حقائق پر

مجبور کر دیتا تھا۔

کربلا کی سرزمین پر تبلیغ

راستہ کے تمام اہم واقعات کو چھوڑتے ہوئے امام کی اُس عظیم الشان تبلیغ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو کربلا کی سرزمین پر حسینؑ سے ظاہر ہوئی۔ وقت کہ جب خون کے پیاسے دشمنوں نے چاروں طرف سے امام پر راستہ بند کر دیا تھا اور تیس ہزار کے لشکر نے دین و مذہب بلکہ انسانیت و غیرت کو خیرباد کہکر فرزند رسولؐ کے قتل پہ کمر باندھی تھی اُن کا گمراہی سے باز آنا ناممکن تھا اور حسینؑ اسباب سے واقف تھے لیکن ایک مبلغ مذہب اور داعی حق کا فریضہ ہے کہ وہ حق کی آواز کو بلند کئے اور تبلیغ و دعوت میں کوتاہی نہ کرے اور اس فرض کو امام نے خوب ادا کیا۔

ایک شب کی مہلت نماز کیلئے اور مفاد اسلام کی بے نظیر تبلیغ۔

۹ محرم کو اُس وقت کہ جب خونخوار لشکر کی یورش تھی اور حسینؑ اور انکی مختصر

جماعت کے قتل کیلئے حملہ کردیا گیا تھا حسینؑ نے اپنے بھائی کو بھیجکر ایک شب کی مہلت مانگی۔ کیوں؟ کیا اسلئے کہ حسینؑ اپنے اہلِ حرم سے رخصت ہولیں، اپنے عزیزوں کو دل بھر کر ایک رات اور دیکھ لیں یا ایک شب میں کوئی سامان جنگ کرلیں؟ نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ آج کی رات بھر خدا کی عبادت کرلیں چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا شب اس طرح گذاری کہ لھم دوی کدوی النحل" اس جماعت کی آوازیں ذکر الٰہی اور تسبیح کیساتھ اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے آواز آتی ہے"

اس طرح اُنھوں نے دکھلا دیا کہ سخت ترین مواقع پر کس طرح اصول مذہب کا خیال رکھا جاتا ہے اور یہ مذہبی جذبہ عالم کے ہر جذبہ سے زیادہ پر طاقت ہے۔

دسویں عاشورکے دن نماز ظہر گذشتہ موقع سے سخت اور زیادہ کٹھن موقع تھا جب لڑائی شروع ہو چکی تھی حسینی مختصر لشکر کے بہت سے

جوان قتل ہو چکے تھے اور کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ تیروں کی بارش تھی اور کمانوں کی کڑکنے کی گرج لیکن اس حالت میں بھی نماز ظہر بجماعت ادا کی گئی اور ایسی نماز کہ جس کی نظیر عالم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

امام رو بقبلہ اور مجاہدین کی صفیں پیچھے اور دو بہادر جوان امام کے آگے سینہ سپر بنے ہوئے کہ جو تیر آئے وہ اپنے اوپر روکیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے اُن دونوں بہادروں میں سے ایک سعید بن عبد اللہ حنفی زمین پر گر کر تڑپنے لگتے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

یہ تھے حقانیت کے مظاہرات اور صداقت کے نمونے جو اگرچہ اپنے وقت وقوع میں خاموشی کے ساتھ عمل میں آئے لیکن انہوں نے دنیا کو دعوت حق کی پرزور آواز سے مملو کر دیا اور افراد اسلام کے اسلامی احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا اور دوسری طرف یزید اور ہوا خواہان یزید کے ظالمانہ افعال اور اسلام کش حرکات کا پردہ چاک کیا۔

تبلیغ حق کے دیگر مظاہرات عاشورہ کی صبح سے لیکر عصر تک

واقعات اگر ہم لکھنا چاہیں تو یہ مضمون کافی نہیں ہو سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ
حسینی فوج کا ہر جوان ایک مبلغ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بریر ہمدانی کا مباہلہ
حبیب بن مظاہر کا مکالمہ زہیر بن قین کا خطبہ اور تمام انصار و اقربا کے
وہ رجز جن میں ہر ایک حسینی شہادت کے اسباب و علل بیان کرنے میں ایک
مبلغ کا حکم رکھتا تھا۔ اس کا اثر ظاہر ہوا ہو یا نہ ہو لیکن ایک مبلغ کی کامیابی
یہ نہیں ہے کہ اس کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تعداد میں پیدا ہو جائیں
بلکہ اس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ سخت اور کٹھن موقعوں پر اور دشوار گذار منازل
میں اپنے فریضہ کو ادا کر دے اور جو دعوت و اظہار کا حق ہو اس کو پورا کر سکے۔
حسینی فوج کے تمام جوان داد شجاعت دیکر رخصت ہو چکے ہاشمی خاندان کے
شیر بھی اپنے بزرگ کی حمایت میں کام آ گئے صرف مظلوم حسینؑ باقی
ہیں اور دشمنوں کا حلقہ ہے دل پر مصائب کا ہجوم اور آنکھوں میں دنیا تاریک ہے
مگر وہ مبلغ الٰہی، ربانی داعی مذہب اپنے فریضہ سے ایک سکنڈ کیلئے غافل نہیں ہے
وہ خطبے پڑھتا ہے تقریریں کرتا ہے اصحاب رسولؐ کو گواہ بنا کر اپنی

حقیت کا ثبوت دیتا ہے۔ کیا اس اُمید پر کہ یزیدی لشکر حسینؑ کی حالت پر رحم کھائیگا یا وہ درہم و دنیا کی جلوہ آرائی اور روپیہ اشرفیوں کی جھنکار اور حکومت و سلطنت کی طمع و حرص سے آزاد ہو کر حق کے راستہ پر آجائیگا؟ لا واللہ! حسینؑ بھولے اور نا عاقبت اندیش نہ تھے، وہ خوب جانتے تھے مگر بنی نوع بشر کو حالات سے واقف اور باخبر بنانا چاہتے تھے، اُنھوں نے کوئی دقیقہ اظہار حق میں اُٹھا نہیں رکھا اور آخری نفس تک اپنے فرض کو ادا کر گئے۔

اُسوقت بھی کہ جب شمر کا خنجر بوسہ گاہ مصطفےٰ کے قریب آچکا تھا اور امامت کا چراغ گل ہو رہا تھا حسینؑ نے اپنے قاتل کے سامنے تبلیغ کی اور اپنے نانا کی صداقت و حقانیت کو ثابت کر دکھایا "اے شمر ذرا اپنے چہرہ سے نقاب اُٹھا"۔ شمر نے نقاب ہٹائی، حضرت نے فرمایا صدق واللہ جدّی میرے نانا رسولؐ نے سچ کہا تھا کہ اے حسینؑ تیرا قاتل ایک مبروص (کوڑھی) شخص ہوگا"۔

روحی لک الفداء! اے حسین بن علی آپ نے مرتے دم تک اپنے فریضہ سے ہاتھ نہیں اُٹھایا، آپ نے اپنے نانا کے قول کی تصدیق زیر خنجر بھی ثابت کردی۔ آپ کے خون کا ہر قطرہ جو کربلا کی زمین پر گر رہا تھا آپکی مظلومیت کا مرثیہ خواں اور ملت اسلامیہ کا واحد مبلغ تھا۔

واقعہ کربلا کے بعض روشن پہلو

ایثار و مواسات

اشتراکِ ضرورت کے وقت دوسرے کو اپنے نفس پر مقدم کرنا ایثار ہے اور سخت موقع پر دوسرے کو مبتلا پاکر خود شریک مصیبت اور ہمدرد ہو جانے کا نام مواسات ہے۔

ان دونوں صفتوں کا بہتر اور مکمل ترین نمونہ زمین کربلا کے مجاہدین نے پیش کیا، ان میں سے ہر فرد نے امام کے نفس کی حفاظت کو اپنے نفس و بدن پر اس طرح مقدم سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے جینے ہی مقدم سمجھ گئے تھے سید الشہداء مصلے پر نماز ظہر ادا کر رہے ہیں اور دشمنوں کے تیروں کی

بوچھار ہی سعید بن عبداللہ اور زہیر بن قین امام کے سامنے سپر بنے ہوئے کھڑے ہیں اور ابھی نماز صبح ختم نہیں ہوتی کہ سعید زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں۔

اور خود امام نے مفاد ملی کی حفاظت کو اپنی نفس بلکہ نفس سے عزیز تر اولاد و اقربا اور اُن سے بھی بالاتر عزت و ناموس پر اس طرح مقدم کیا کہ خود دنیا کی ہر چیز سے ہاتھ دھولیا اور اپنے کو عالم بھر کے مصائب و آلام کا نشانہ بنا گوارا کیا لیکن دین اسلام کو قائم کر گئے۔

اور مواسات کا یہ عالم کہ کوئی مصیبت انصار و اصحاب پر نہیں پڑی جس میں امام نے اُن کا ساتھ نہ دیا ہو انصار و اعزا کی شہادت کے عنوان مختلف تھی لیکن جب امام مظلوم کی شہادت پر ایک نظر کی جاتی ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک عنوان کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ایک بیکس کے قتل کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں وہ اُس ایک ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔

حسینؑ اُس دن صرف اپنی جان نہیں دے رہے تھے بلکہ دنیا کو ایثار و مواسات کا نہ بھولنے کے قابل سبق دے رہے تھے اور نظیر مثال قائم کر رہے تھے۔

ثبات قدم و استقلال

سخت اور دشوار گذار مصائب کے باوجود قدم میں لغزش نہ ہونا ثبات و استقلال ہے اور اس امتحان میں کربلا کے مجاہدین کا نمبر سب سے اول ہے اُن کے سخت اور دشوار گذار مصائب کی نوعیت عالم سے جداگانہ تھی۔ سر و گردن کے باہمی ارتباط کا ایک مرتبہ دم شمشیر سے قطع ہو جانا ایک جانباز سپاہی کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن تین دن کی بے آبی اور زخموں کی کثرت کے سبب کلیجہ کے اندر آگ کا بھڑکنا ہر لحظہ احتضار و نزع روح کی تکلیف برداشت کرنے سے کم نہ تھا کمسن بچوں کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتے دیکھنا اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی کے عزیز ترین سرمایہ اولاد کو کھنچی ہوئی تلواروں اور برستے ہوئے تیروں میں بھیجنا نہیں بلکہ اپنے ہاتھ پر جگر کے ٹکڑے کو نشانۂ تیر ہوا دینا

ہر انسان کا کام نہیں۔ اُن کے استقلال و ثباتِ قدم کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہی اور اُنھوں نے اسکے ذریعہ جو حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اُسکی مثال بھی ملنا ناممکن ہی۔ وہ فنا نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ کے لئے خود زندہ ہوئے اور ہزاروں کو زندہ کر گئے۔ دورِ فلک میں جبتک اسلام کا دَور ہی اُنکی یاد سچے مسلمانوں کے دلمیں ہمیشہ تازہ رہیگی اور سرشکِ غم کے سبحہ صد دانہ پر اُن کے نام کا ورد ہوتا رہیگا۔

عزّتِ نفس اور موت کا مُوازنہ

مجاہدِ کربلا کا شعرِ مردانہ

ألموتُ اولیٰ من رکوبِ العار

زندگی عزیز شے ہی اور فطرتِ انسانی میں حیاتِ دنیا کی محبّت ودیعت کر دی گئی ہی۔ انسان اسی کی خاطر سخت ترین دنیا کے مشکلات کو برداشت کرتا اور سرد و گرم عالم کا تحمّل کرتا ہی۔ اُس کی طبیعت اگر

افراط بخل وغیرہ کے سبب حد اعتدال سے خارج نہیں ہو گئی ہے تو وہ اپنی جان کی حفاظت میں مالی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا اور تمام ممکن ذرائع جن سے اُسکی ہستی کا بقاء ممکن ہے اُن کو صرف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام نے بھی اس فطری رجحان کو روکنے کی کوئی وجہ نہیں پائی بلکہ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے حکیمانہ حکم سے حفاظت نفس اور زندگی کی نگہداشت کو فریضۂ لازمہ قرار دیا لیکن فلک اعظم کے دور اور لیل و نہار کی آمد و رفت میں ایسے نازک مواقع پیش آجایا کرتے ہیں، جب جذبات نفسانیہ میں تلاطم اور طبعی و عقلی رجحانات میں تصادم ہوتا ہے، زندگی اپنی تمام دلفریبیوں کے باوجود اتنی مہیب صورت میں نظر آتی ہے کہ انسان بے اختیار اُس سے آنکھ بند کر لینا پسند کر لیتا ہے اور وہ اُسی محبوب زندگی سے جس پر وہ ہر شے کو قربان کرتا تھا ہاتھ دھونے میں لذت محسوس کرتا ہے یہ صورت کبھی غیر عقلی، شہوانی، جاہلانہ، ناعاقبت اندیشانہ رجحانات سے پیدا ہوتی ہے اور اس موقع پر جان دینے سے نہ عقل روکتی ہے اور نہ بڑھ کر حرام کرتی

شرع شاباش کی آواز دیتی ہو لیکن جس وقت عزت سے بدتر زندگی یا زندگی
سے بہتر موت میں معاملہ پڑ گیا ہو جس وقت حیات دنیا اہم ترین مقاصد کے
پامال ہونے کا پیش خیمہ ہو اور جس وقت عزت نفس اور شرف ظاہری کا سوال
درپیش ہو جبکہ میزان عقل نے صورت حال کے مختلف پہلوؤں پر غور کرکے
موت کو حیات پر ترجیح دیدی ہو تو اس وقت موت کے منھ میں
جا پڑنے والے دائمی حیات کے مالک ہو جاتے ہیں، عزت دار ہستیاں ہمیشہ
عزت کا تحفظ جان کو سمجھتی ہیں حسینؑ بن علیؑ نے کربلا میں جو راستہ
اپنے لئے مقرر کر لیا تھا وہ اسی اصول پر مبنی تھا اُن کی زبان سے
نکلی ہوئی لفظیں اگرچہ وسیع صحرائے کربلا میں گونج کر فنا ہو گئیں لیکن
اُن کا پائدار مفہوم اب بھی غیرت دار اقوام کے صحیفہ حیات کا
سرنامہ اور اُن کے دیباچۂ زندگی کا عنوان اوّل ہے "الموت اولیٰ من
رکوب العار" ننگ و عار کے برداشت کرنے سے موت کا آنا بہتر
ہے" انکی یہ مختصر لفظیں علو ہمت کی منادی اور عزت نفس کی

ترجمان ہیں اور انہی کو حسینؑ نے عملی صورت سے دنیا کو دکھلا دیا۔

اصول کی حمایت اور قربانی

حسینؑ کی قربانی دنیا سے نرالی تھی

اس قربانی کے انتظامات عجیب و غریب تھے

کربلا کے مجاہد حسینؑ بن علیؑ کا اصول حق کی حمایت، شریعت اسلامیہ کی نگہداشت اور جابر و ظالم طاقت کے مقابلہ میں روحانی و مذہبی خودداری کی حفاظت تھی، انھوں نے اپنے آخری نفس تک اس اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، وہ اگر پہلی ہی مرتبہ اپنی جان کی قربانی پیش کر دیتے تو بہت ممکن تھا، اس قسم کی قربانیاں کم سہی لیکن بیمثال نہیں ہیں سقراط نے بھی اپنے ہاتھ سے زہر کے جام کو اٹھا کر پی لیا تھا اور اپنی جان کو مقصد پر ہی قربان کر دیا تھا لیکن حسینؑ

بن علیؑ کا مقصد بہت اہم تھا، وہ اپنی قربانی کی نوعیت ہی عالم سے جداگانہ قرار دینا چاہتے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ اپنی طرف نسبت رکھنے والی ہر عزیز شے کو خود اپنے ہاتھ سے قربان کریں اور جب اپنے نفس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے تو اس متاعِ گرانمایہ کو قربانی کے میدان میں پیش کر دیں، اُنھوں نے سب سے پہلے اپنے راحت و آرام، وطن کی اطمینانی زندگی کو قربان کیا جس کے سلسلہ میں اُن کو ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

روزِ عاشور کی قربانیوں کے سلسلہ میں اپنے محبوب ترین اصحاب و انصار، ساتھ کے کھیلے ہوئے احباب کو قربان کیا، عزیزوں کی باری آئی اور ایک ایک کر کے ان سب کو میدانِ قربانی میں بھیجا، اپنے داہنے بازو وفادار بھائی قمرِ بنی ہاشمؑ کو قربان کیا، اپنے پیارے بھتیجے اور داماد قاسمؑ بن الحسنؑ کو قربان کیا، اپنے دل کی قوت آنکھوں کی روشنی اور پیری کے سہارے علی اکبرؑ کو قربان کیا۔

باغِ اُمید کی آخری کونپل اور غنچۂ ناشگفتہ علی اصغرؑ کو خود اپنے ہاتھوں پر لاکر قربان کیا، ابھی تک دل کے ٹکڑوں کی قربانی ہو رہی تھی اب اعضائے بدن تک نوبت پہونچی، ان کو ایک ایک کر کے قربان کیا۔ گوشت و پوست، سینہ و دست، دل و جگر، چہرہ و جبین بلکہ سطحِ جسم کا چپہ چپہ اور اجزائے بدن کا ہر ذرہ قربان کیا، نوبت یہ پہونچی کہ تیروں کو جگہ نہ ملتی اور دشمنوں کی تلواروں، نیزوں کو جستجو کے بعد بھی خالی مکان نظر نہ آتا تھا جب جسم کا ہر حصہ اور دل کا ہر ٹکڑا قربان ہو چکا۔ اصحاب و انصار، اہل بیتؑ میں سے تو پہلے ہی کوئی باقی نہیں رہا تھا اعضائے جسم کی قربانی کا بھی امکان نہ رہا، ایک نیزہ پر سیکڑوں نیزے اور ایک ایک تلوار پر سیکڑوں تلواریں پڑ چکیں اور تیر بھی اپنا پورا حوصلہ نکال چکے، اب حسینؑ کیلئے کوئی چارہ کار نہ تھا، کوئی قربانی کے قابل شے باقی نہیں رہی تھی صرف ایک رشتۂ حیات تھا جو روح و بدن کے اندر پوری کشمکشِ حیات کے

باوجود قائم تھا اور ایک سر و گردن کا ارتباط تھا جس میں ابتک جدائی نہوئی تھی۔

اس باہمت مظلوم کیلئے گذشتہ تمام قربانی کے مرحلوں کو طے کرنے کے بعد ایک قربانی کا مرحلہ بالکل آسان تھا بلکہ اس میں خاص لذت محسوس ہو رہی تھی، عصر کے ہوتے ہوتے حسینؑ اس قربانی میں بھی کامیاب ہو گئے اور خنجر شمر سے کچھ دیر راز و نیاز کے بعد ایک طرف نفس کی آمد و شد کا سلسلہ اور نفس و بدن کا ظاہری حلقۂ اتصال قطع ہوا اور دوسری طرف سر و گردن کے ارتباط میں جدائی پیدا ہوئی۔

آسمان لاکھوں برس گردش کرے، زمانہ کے ورق گوناگوں خصوصیتوں کیساتھ سامنے آئیں اور الٹ جائیں لیکن اتنی شاندار مکمل منظم اور مرتب قربانی کی مثال پیدا نہیں ہو سکتی۔
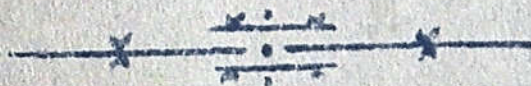
حسینؑ کی شہادت کے بعد

فاطمہ زہراؑ کا چاند غروب ہو چکا ہے اور دشمن اپنے مقصد میں ظاہری طور سے کامیاب ہو چکے ہیں۔ آج کوفہ و شام کے بازاروں میں بنی ہاشمؑ کے گھرانے کی معزز خواتین اور نیزوں پر کربلا میں شہید ہونے والے مظلوموں کے سر نصب ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والے اس منظر کو اہلبیت رسولؐ کیلئے سخت توہین و ذلت کا باعث سمجھ رہے ہوں گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسوقت حسینؑ کی تبلیغ منتہائے شباب پر پہونچ گئی ہے اور دعوت حق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہے۔ اگر چشم حقیقت بین سے نظر کرو تو نیزہ پر سر حسینؑ جس کی پیشانی پر سجدۂ معبود کا نشان پڑا ہوا ہے (سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود) چہرہ سے نور ساطع ہے۔ ہونٹ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں (ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا)۔

دوسری طرف مخدرات عصمت جوان نامحرموں کے مجمع میں چادر و مقنعہ سے محروم

ہونیکے بعد غیرت وحیا کا مجسمہ اخلاق محمدیہ کی تصویر جاہ وجلال کی چادر و

میں نہاں، طہارت وعفت کے اندر ملبوس اور اُن کے وہ حقائق و دقائق سے

مملو خطبے کانما تفرغ عن لسان ابیھا زینبؑ گویا علی بن ابیطالبؑ

کی زبان کیساتھ کلام کر رہی تھیں)

یہ چیزیں وہ ہیں جنھوں نے صداقت کی پیکر میں روح پھونکدی، دنیا کی

آنکھوں کے سامنے سے جہالت وضلالت کے پردوں کو چاک کر کے پھینکدیا،

عالم کو شرق سے لیکر غرب تک حسینؑ بن علیؑ کا مرثیہ خوان اور یزید کے افعال

واقوال سے بیزار و متنفر کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج عالم کے گوشہ گوشہ اور

دنیا کے ہر چپہ میں حسینؑ کا نام ہے اور حجاز کا حقیقی بادشاہ کروڑوں افراد کے

دلوں پر قیامت تک کے لئے حکومت کر رہا ہے اور بنی اُمیہ کے جبروت و

عزت کا چراغ ہمیشہ کیلئے اس طرح گل ہوا کہ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہے

عالم نے دیکھ لیا کہ کون ظالم تھا اور کون مظلوم؟ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور مظلومیت

کی شان کیا ہے؟

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)

آہ جنت البقیع

ہاں اے فرزندانِ اسلام و اے اولادِ علیؑ و فاطمہؑ بس آج ہی وقت ہے
کہ حرم خدا و رسولؐ اور ارض مقدس حجاز کو جس میں اسلام کی مقدس ترین امانتیں
یعنی آپکے اجداد و پیشوایان روحانی دفن ہیں۔ نیز وہ آپ کا مذہبی مرکز اور
اس لئے دینی وطن بھی ہے۔ ابن سعود نجدی کے پنجۂ ظلم سے چھڑا لیجئے۔

مجاہدین جمعیت ادریسیہ حجازیہ

کو فوراً مالی اور اخلاقی امداد دیجئے۔ تاکہ وہ اس اسلامی خدمت کو انجام دیکر ارواح
مطہرہ رسولؐ و علیؑ و بتولؑ و دیگر بزرگانِ دین کو خوشنود کر سکیں جبتک
یہ مقدس ہستیاں قبروں میں بےچین ہیں۔ آپ کو بھی چین کی نیند سونا حرام ہے
خدا کے لئے چونکئے ذرا ہوشیار ہو جئے اب ایک لمحہ کی دیر کا موقع نہیں ہے

خادم

حاجی حسن آنریری اسسٹنٹ سکریٹری
انجمن تحفظ آثار متبرکہ حسین آباد لکھنؤ

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرمائیے

ناصرین اہلبیت علیہم السلام کی فہرست میں اپنا نام نامی درج کرائیے

چندہ لائف ممبری کم سے کم پچاس روپیہ

چندہ ممبرانِ خصوصی کم از کم پانچ روپیہ سالانہ

چندہ ممبران عمومی کم از کم ایک روپیہ سالانہ

(نوٹ)

لائف ممبران و ممبران خصوصی کی خدمت میں تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت شایع ہوتے ہی ارسال ہوتے رہتے ہیں۔ اور ممبران عمومی کو (بشرطیکہ وہ طلب فرمادیں) ممبر بننے کے بعد شایع ہونے والے رسائل نصف قیمت پر دیئے جاتے ہیں۔

الداعی الی الخیر

آنریری سکریٹری

"امامیہ مشن" لکھنؤ

حجج و بینات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلامی میں ظاہر ہوئی ہے ۱۳۵۰ھ ہجری میں مشاہد مشرفہ ائمہ معصومین علیہم السلام سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت یعنی معجزات ظاہر ہوئے ان کے مستند تفصیلی واقعات اسمیں شایع کئے گئے ہیں جو ارباب ایمانی کیلئے بصیرت افروز تمام مذاہب و اقوام کے مقابل صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ یہ کتاب بھی حضرت سید العلماء کا نتیجہ قلم اور ان ہی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے تقطیع ۲۶×۲۰ کاغذ سفید چکنا۔

قیمت صرف ایک عہ روپیہ - خرچہ ڈاک دوانہ (۲)

وجیزۃ الاحکام

عرصہ سے اس ضرورت کا احساس کیا جا رہا تھا کہ حضرت سید العلماء دام ظلہ کے فتاوی اور ضروری مسائل فقہ کا مجموعہ شایع کیا جائے چنانچہ سردست یہ مختصر اور اہم مسائل کا مجموعہ شایع کیا گیا ہے انشاء اللہ آئندہ ایک مبسوط کتاب مسائل فقہ میں جو تمام ابواب فقہ کی جامع ہو گی شایع کیجائیگی۔

آنریری سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

امامیہ مشن کے تبلیغی رسالے

نمبر	نام رسالہ	زبان	قیمت		خرچ ڈاک
(۱)	قاتلان حسینؑ کا مذہب (تیسرا ایڈیشن)		قیمت ۴ر		خرچ ڈاک ١ر
(۲)	تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا ایڈیشن)		۶ر	”	١ر
(۳)	مولود کعبہ	”	١ر	”	ر
(۴)	وجود حجت	”	۴ر	”	١ر
(۵)	اصول دین اور قرآن	”	۴ر	”	١ر
(۶)	اتحاد الفریقین حصہ اوّل	”	۴ر	”	١ر
(۷)	حسینؑ اور اسلام	اُردو	١ر	”	ر
(۸)	” ”	ہندی	١٠ر	”	ر
(۹)	” ”	انگریزی	۲ر	”	ر
(۱۰)	متعہ اور اسلام		۸ر	”	١ر
(۱۱)	امامت آئمہ اثنا عشر اور قرآن		ر	”	ر
(۱۲)	تجارت اور اسلام		۳ر	”	ر
(۱۳)	اتحاد الفریقین حصہ دوم		۴ر	”	١ر
(۱۴)	علیؑ اور کعبہ		١ر	”	ر
(۱۵)	رجال بخاری حصہ اوّل		۶ر	”	١ر
(۱۶)	مذہب باب وبہا		۵ر	”	١ر
(۱۷)	عید نوروز وغدیر		١ر	”	ر
(۱۸)	مجاہدہ کربلا	اُردو	۲ر	”	ر
(۱۹)	کربلا کا آتم بلیدان	ہندی	۲ر	”	ر
(۲۰)	دی مارٹیڈم آف حسینؑ	انگریزی	۲ر	”	ر

آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ